سوال

(282) جائیداد میں کلالہ کا حصہ

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

لالہ موسیٰ سے بواسطہ ذیشان خریداری نمبر :۵۶۹۵ قاضی محمد خاں کا ایک سوال اہل حدیث مجریہ ۵ ستمبر ۲۰۰۳ شمارہ نمبر ۳۶ میں شائع ہوا تھا کہ میری بیوی فوت ہوگئی ہے، اس کے نہ والدین زندہ ہیں نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے۔ صرف اس کا خاوند اور تین حقیقی بہنیں زندہ ہیں، اس کی جائیداد کیسے تقسیم ہوگی، ہم نے اس کے جواب میں لکھا تھا کہ صورت مسئولہ کلالہ کی ایک صورت ہے چونکہ اولاد نہیں، اس لئے خاوند کو اس کی منقولہ اور غیر منقولہ جائیداد سے نصف ملے گا اور تین حقیقی بہنوں کو کل جائیداد سے 2/3 دیا جائے گا۔ تقسیم میں سہولت کے پیش نظر ہم نے لکھا تھا کہ کل جائیداد کے چھ حصے کرلئے جائیں، نصف، یعنی تین حصے خاوند کو اور دو تہائی یعنی چار حصے تینوں بہنوں کو دیئے جائیں چونکہ چھ حصوں سے ورثا کو ملنے والا سہام زیادہ ہیں، اس لئے یہاں عول ہوگا اس لئے کل جائیداد کے چھ حصے کے بجائے سات حصے کرلئے جائیں۔ ان سات حصوں میں سے تین خاوند کو باقی چار بہنوں کو مل جائیں گے۔ آخر میں یہ مشورہ بھی دیا تھا کہ جائیداد کی تفصیلی تقسیم محکمہ مال، یعنی پٹواری کے ذمے ہے۔ وراثت کے فتویٰ میں صرف حصوں کا تعیین کیا جاتا ہے تقسیم کا عمل مفتی کے ذمے نہیں ہے۔ ادارہ ''اہل حدیث ''کی وساطت سے ہمیں ایک خط موصول ہوا جس میں قاضی محمد خان لکھتے ہیں کہ ''میرے حق وراثت کے سوال پر جو مشورہ دیا گیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود کی مخالفت کرتا ہے، نیز یہ مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اس میں بڑی محنت درکار ہے۔ اسے عول یا پٹواریوں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا جاسکتا ہے۔ الیٰ آخرہ

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

ہم نے سوال کا جواب قرآن پاک کی آیات کے حوالہ سے دیا تھا ہمارے نزدیک ہر مسئلہ ہی بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے، اس لئے سوالات کے جواب میں محنت بھی کی جاتی ہے اوراحساس ذمہ داری بھی ہوتا ہے کیونکہ ہمارے نزدیک مفتی کا منصب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں رہتے ہوئے سوالات کے جواب دیتا ہے۔ اس مختصر وضاحت کے بعد کچھ ملاحظات پیش خدمت ہیں :

1۔ پرچہ ''اہل حدیث ''کوئی کاروباری میگزین نہیں ہے کہ اس سے دنیاوی منفعت ہوتی ہو، بلکہ دنیاوی لحاظ سے دینی جرائد خسارے میں رہتے ہیں، البتہ دینی لحاظ سے یہ مفاد ضرور ہوتا ہے کہ ان سے دین اسلام کی سربلندی اوراسلامی تعلیمات کی نشرواشاعت مقصود ہوتی ہے۔ شاید سوالات کے جواب کےلئے خریداری نمبر کی پابندی بھی اس لئے ہے کہ اس کے خریدار زیادہ ہوں لیکن یہ بات اخلاقی لحاظ سے صحیح نہیں ہے کہ دوسروں کے خریداری نمبر کا سہارا لے کر سوالات پوچھے جائیں۔ ویسے بھی سوال وجواب کے کالم میں خریدار یا غیر خریدار کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جواب دیے جاتے ہیں۔

2۔ عول کا سہارا مجبوراًلیا جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے عول کا حکم دیا تھا۔ ان کے زمانے میں ایک ایسی صورت واقع ہوئی کہ اصحاب الفروض کے سہام ترکہ

کی اکائی سے زیادہ تھے، جیسا کہ موجودہ صورت مسئولہ میں ہے ۔ آپ نے کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ فرمایا۔ حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے عول کا مشورہ دیا، جس سے صحابہ نے اتفاق فرمایا، ان میں حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے مجتہدین صحابہ کرام شامل تھے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عول کے مسئلہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متفقہ مسئلہ میں اختلاف رائے کیا ۔ اگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مخالفت مشہور نہ ہوتی تو عول کے مسئلہ پر اجماع قطعی کا حکم لگا دینا یقینی ہو جاتا ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عول کی ضرورت کو بایں الفاظ بیان فرمایا: ''مجھے قرآن کریم سے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ مقرر حصہ لینے والوں میں سے کون قابل تقدیم ہے، کون قابل تاخیر تاکہ مقدم کو پہلے اور مؤخر کو بعد میں کر دیا جائے، اس لئے انہوں نے تمام اصحاب الفروض کے درمیان یکسانیت پیدا کرنے کے لئے عول کا طریقہ جاری فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک خاوند قوی حق دار ہے، اس لئے اسے پورا پورا حصہ دیا جائے اور بہنیں کمزور حصہ دار ہیں ان کے حصوں میں کمی کی جائے ۔ صورت مسئولہ میں مسئلہ چھ سے بنتا ہے لیکن سہام سات ہیں ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک خاوند کو کل جائیداد سے نصف، یعنی 1/2 دے دیا جائے اور بہنوں کے چار حصوں سے ایک حصہ کم کر کے انہیں صرف تین حصے دیے جائیں ۔ اس طرح عول کی ضرورت نہیں رہتی ۔ لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف، اس لئے درست نہیں ہے کہ تمام مقرر کردہ حصہ لینے والے حقدار جو کسی درجہ میں جمع ہوں از روئے استحقاق برابر ہیں اور کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دی جا سکتی ۔ چونکہ سب کا استحقاق بذریعہ قرآن کریم نازل ہوا ہے، لہٰذا سب کا استحقاق برابر ہوگا اور ہر شخص اپنا اپنا پورا حصہ لے گا اور اگر سب حصص موجود نہ ہوں، جیسا کہ موجودہ صورت میں ہے تو سب کے حصوں میں برابر کمی کی جائے گی اور عول کے ذریعے سے جو مخرج بڑھایا جاتا ہے اس کی وجہ سے جو نقصان عائد ہو وہ تمام مستحقین پر بقدر تناسب پھیلا دیا جائے ۔ یہی راجح ہے اور اسی پر امت کا عمل ہے، البتہ شیعہ حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے ۔ وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے موقف سے اتفاق کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں ۔ ان کے نزدیک اگر جملہ حصص کی میزان جائیداد کی اکائی سے متجاوز کر جائے تو اس اضافہ کو بیٹیوں اور بہنوں کے حصص سے منہا کر دیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں قاضی محمد خان کو بھی اس لئے اختلاف ہے کہ خاوند ہونے کی حیثیت سے ان کے حصہ میں عول کی وجہ سے معمولی سی کمی واقع ہوئی ہے، دلوں کے حالات تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے ۔ بظاہر قرائن سے یہی معلوم ہوتا ہے ۔ باقی پٹواریوں کا حوالہ اس لئے دیا گیا کہ جائیداد اگر زمین کی شکل میں ہو تو ہر وارث کو کتنی کنال یا مرلے یا کتنی سرسائیاں ملیں گیں اس تقسیم کی ذمہ داری مفتی پر نہیں ہے کیونکہ اس نے علم وراثت پڑھا ہے محکمہ مال کے کورس نہیں کئے ہیں، لہٰذا ہم نے فتویٰ میں جو مشورہ دیا ہے اس میں اللہ کی کسی حد کو نہیں توڑا ہے ۔ اللہ تعالیٰ حق سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ اصحاب الحدیث

جلد: 2 صفحہ: 296